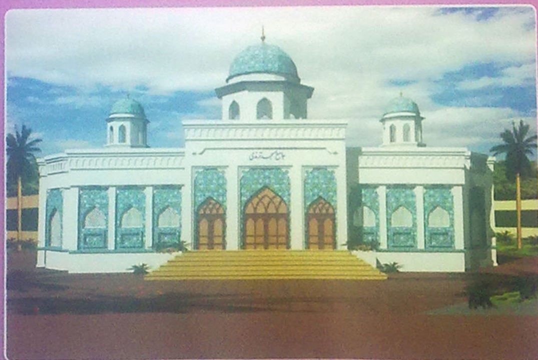
جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلّہ الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

ربیع الاول ۱۴۳۴ھ فروری ۲۰۱۳ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

فہرست

خط وکتابت کیلئے : دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا
web-www.alhaqqania.org
E-mail-alhaqqania@yahoo.com
048–6786002/6786899

کلمۃ الحق مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

وکیل صحابہ ترجمان اہل سنت کاسانحۂ ارتحال

ترجمان اھل السنۃ والجماعۃ وکیل صحابہ استاذالمناظرین حضرت علامہ مولانا محمدعبدالستارتونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال کی خبر۲۱ر دسمبر۲۰۱۲ء جمعۃ المبارک کے روز عشاء کی نماز کے بعد ملی تو احقر کو اس خبر پر یقین نہیں آیا کیونکہ جمعۃ المبارک کی نماز سے قبل معلوم ہوا تھا کہ اب حضرت علامہ روبصحت ہیں اور بعض مخالفین نے ان کی وفات کے متعلق جو پروپیگنڈہ چلا رکھا ہے وہ غلط ہے ،احقر نے جمعہ کے اجتماع میں بھی اس کا ذکر کیا تھا اور حضرت کو روبصحت بتلا کر مزید صحت کے دعائی درخواست بھی کی تھی لیکن فون پر رابطہ سے معلوم ہوا کہ یہ خبر صحیح ہے اور ابھی کچھ دیر پہلے نشتر ہسپتال میں علامہ انتقال فرما چکے ہیں ،اناللہ واناالیہ راجعون ،ان للہ مااخذولہ ماعطی و کل عندہ باجل مسمیٰ۔

دنیا میں جو آیا وہ جانے کے لیے آیا ہے لیکن بعض شخصیتیں ایسی ہیں جن کے جانے سے جہان تاریک ہوجاتا ہے اور ان کی موت ''موت العالَم'' کامصداق ہوتی ہے۔حضرت علامہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کاسانحۂ ارتحال بھی یقیناً ایسا ہی ہے کسی شاعر نے ایسے ہی حضرات کی رحلت کے متعلق کہا ہے ؎

وماکان قیس ھلکہ ھلک واحد و لٰکنہ بنیان قوم تھدما

(قیس کی وفات ایک شخص کی وفات نہیں بلکہ یہ پوری قوم کا حادثہ ہے)

حضرت علامہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی نابغہ روزگار ہستیاں روز روز پیدا نہیں ہوتیں ،ایسے عزیزالوجود لوگ مدتوں میں پیدا ہوتے ہیں اسی لیے ان کی رحلت اور

جدائی کا صدمہ بھی مدتوں تک محسوس کیا جاتا ہے، جگر مرحوم نے صحیح کہا ہے ؎

جان کر منجملہ خاصان میخانہ مجھے　　　مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ آج سے تقریباً نوے سال قبل رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹۲۶ء میں ضلع ڈیرہ غازی خان کے مشہور و معروف شہر تونسہ شریف میں پیدا ہوئے ،آپ کے والدماجد جناب حکیم اللہ بخش صاحب مرحوم نہایت نیک سیرت اور صاحب فضل وکمال بزرگ تھے ،آپ نے ضلع ڈیرہ غازیخان کے مختلف مدارس میں عصری تعلیم کے فرائض انجام دیے ،طب یونانی میں مہارت کی وجہ سے یہ مشغلہ بھی جاری رکھا، اپنے محلہ کی مسجد خلفاء راشدین میں ۴۲ سال بلامعاوضہ امامت وتدریس کی خدمات سرانجام دے کر ۱۹۷۱ء میں انتقال فرمایا۔ حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ کے جدامجد محمد بخش صاحب رحمہ اللہ صاحب ثروت ووجاہت نہایت نیک سیرت انسان تھے ،تونسہ شریف کو سب سے پہلے انہوں نے ہی اپنا مسکن قرار دیا تھا۔

علامہ تونسوی رحمہ اللہ نے دینی تعلیم جامعہ محمودیہ تونسہ شریف میں حاصل کی ۔ جامعہ محمودیہ حضرت خواجہ تونسوی رحمہ اللہ المتوفیٰ ۱۳۴۸ھ بمطابق ۱۹۲۹ء نے ۱۹۲۵ء میں قائم فرمایا تھا، حضرت علامہ تونسوی نے درس نظامی کی مکمل تعلیم اسی مدرسہ میں وہاں کے اساتذہ کرام حضرت مولانا خالق داد صاحب، حضرت مولانا احمد جراح صاحب ، حضرت مولانا اللہ بخش صاحب، حضرت مولانا غلام رسول صاحب، حضرت مولانا عبدالستار صاحب شہلانی ، استاذالعلماء حضرت مولانا خان محمد صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند رحمہم اللہ سے حاصل کی ۔ حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی مرحوم اور اپنے اساتذہ کرام کے مشورہ سے آپ دوبارہ دورۂ حدیث شریف کے لیے ازہر ہند دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے ۔

شوال ۱۳۶۵ھ میں آپ دارالعلوم میں داخل ہوئے ،حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی ،حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب امروہی ، حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی ، حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک ، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمہم اللہ بانی دارالعلوم کبیروالہ سے کتب حدیث شریف پڑھ کر شعبان المعظم ۱۳۶۶ھ بمطابق ۱۹۴۷ء میں اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوئے دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت کے علاوہ حضرت اقدس مدنی نے رحمہ اللہ نے خصوصی سند حدیث سے بھی نوازا ، دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد اپنے استاذ محترم اور شیخ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے حکم سے ردروافض کی تیاری کے لیے دارالمبلغین لکھنو پہنچے اور امام اہل السنۃ علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ المتوفیٰ ۱۳۸۲ھ سے اس موضوع پر بھرپور استفادہ اور مہارت کے بعد سند فراغ حاصل کی ۔اس کے بعد آپ نے نجف اشرف ، کربلا معلی ایران وعراق وغیرہ کا دورہ کیا اور وہاں سے شیعہ مذہب کی امہات کتب حاصل کیں اور مقامات مقدسہ پر بھی حاضری دی ۔

آپ نے اپنی تدریس کا آغاز اپنے علاقہ سے کیا بعد میں آپ کا تقرر جامعہ محمودیہ تونسہ شریف میں ہوا حضرت علامہ رحمہ اللہ نے برسہا برس درس نظامی کی ابتدائی وانتہائی کتب نہایت محنت سے پڑھائیں ،تدریس میں آپ کی بے نظیر مہارت کی وجہ سے علاقہ میں آپ کے علم کی دھاک بیٹھ چکی تھی اور تبلیغی میدان میں بھی آپ کے ولولہ انگیز بیانات کی وجہ سے آپ کی مانگ میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا ۔

جماعت تحریک تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ جس کی بنیاد ۱۹۴۳ء میں جام پور شہر ضلع ڈیرہ غازیخان میں رکھی جا چکی تھی ، اور یہ جماعت اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کے پرچار اور دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے محاذ پر اپنی دینی ، علمی ، تبلیغی ، تحریکی خدمات کی بنا پر

روز بروز ترقی پر تھی لیکن اس جماعت کو اپنے مشن اور کاز کے لیے ایک ایسے فاضل یگانہ اور زبردست محقق، عالم، مبلغ اور مناظر و مدرس کی ضرورت تھی جو جماعت میں ایک نئی روح پھونک دے اور یہ جماعت پوری کامیابی کے ساتھ روافض کے فتنہ کا مقابلہ کر سکے، اس کے لیے جماعت کے ذمہ دار حضرات کی نگاہ انتخاب حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ پر پڑی جو اس وقت جامعہ محمودیہ تونسہ شریف کی مسند تدریس پر متمکن تھے، چنانچہ ان حضرات نے جامعہ کے ذمہ دار حضرت خواجہ نظام الدین صاحب تونسوی سے اس گوہر یکتا اور در فرید کو طلب کیا تو حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ نے مسلک اہل السنۃ اور دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عظیم کاز کے لیے حضرت علامہ تونسوی کو اس کی اجازت مرحمت فرمادی کہ وہ کچھ وقت جماعت کو دیں لیکن پھر رفتہ رفتہ حضرت علامہ کو پورے طور پر جماعت کے لیے وقت دینا پڑا اور آپ باقاعدہ جماعت میں شامل ہو گئے۔ حضرت علامہ کے جماعت میں قدم رکھنے سے جماعت میں گویا روح پڑ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے کچھ ہی عرصہ میں یہ جماعت پورے ملک پر چھا گئی۔

حضرت تونسوی رحمہ اللہ نے تنظیم اہل السنۃ میں شامل ہوتے ہی اپنی تمام تر خدمات اس کے لیے وقف فرمادیں، اور پھر ساری عمر آپ نے اس مشن میں گزار دی، آپ نے پورے ملک میں قریہ قریہ بستی بستی عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پرچم لہرایا، ہزاروں تقاریر کیں، بیسیوں کامیاب ولاجواب مناظرے کیے، کئی ہزار علماء کرام کو دار المبلغین میں رد شیعت پڑھا کر انہیں اس محاذ کے لیے تیار کیا، تحقیقی و علمی رسائل اور کتب بھی تحریر فرمائیں۔ پاکستان کے علاوہ بیرون ملک کئی ممالک میں آپ نے علماء کرام کو پڑھایا اس لیے ہزاروں کی تعداد میں آپ کے تلامذہ نہ صرف پاکستان بلکہ بیرون ملک میں بھی بکثرت موجود ہیں۔

حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ کا انداز بیان ناصحانہ، محققانہ، پرجوش، موثر نہایت مدلل اور نرالا تھا، ہر بیان کا مرکزی مضمون حضرات صحابہ کرام واھل بیت عظام رضی اللہ عنہم کی شان عظمت، منقبت اور مسلک اھل السنۃ والجماعۃ کا پرچار اور دفاع صحابہ کرام تھا اس کے ساتھ ہی آپ روافض کے عقائد باطلہ اور نظریات فاسدہ کا بھی دلائل کے ساتھ خوب رد فرماتے تھے اور خوبی یہ کہ آپ قرآن وسنت کے دلائل کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت اور اھل السنۃ کی حقانیت کو فریق مخالف کی معتبر کتب اور ان کی صریح عبارات سے یوں ثابت فرماتے کہ کسی کو مجال انکار نہ رہتی اور

ع　والفضل ماشهدت به الاعداء

کا سماں بندھ جاتا۔ یہ آپ کے اخلاص اور دلائل کی قوت، انداز بیان کی برکت تھی کہ آپ کی تقریر سے ہزاروں مخالفین نے فائدہ اٹھایا اور انہیں مذہب حق اھل السنۃ والجماعۃ کے قبول کرنے کی توفیق ہوئی ،اپنے پرائے سب ہی آپ کے اخلاص ، للہیت اور تقویٰ کے معترف تھے ،آپ کی انتہائی کوشش تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور مذہب اھل السنۃ کی حقانیت اور صداقت غیر کے دل میں اتر جائے اور وہ اس کے قائل ہو جائیں۔

حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ اپنے بیان ذی شان کے آغاز میں ہمیشہ مسلمانوں کو فرقہ بندی کے عذاب سے ڈراتے اور انہیں نماز روزہ کی تلقین کے ساتھ آخرت کے عذاب سے بھی ڈراتے ،قرآن کریم کی تلاوت اور دینی مسائل کی تعلیم کے لیے ترغیب دیتے فکر آخرت پر آپ کا بیان نہایت نافع ومفید اور موثر ہوتا تھا،آپ کے جملہ بیانات میں مسلمانوں کو نماز روزہ کی تبلیغ بیان کا لازمی جزو تھا،آپ کے استاذ محترم امام اھل السنۃ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کے متعلق حضرت

والدصاحب رحمہ اللہ سے بارہاسنا کہ وہ اپنے بیان میں نماز کا مضمون ضرور بیان فرماتے تھے چاہے محرم الحرام کے مہینہ ہی میں جلسہ ہو، چنانچہ حضرت لکھنوی رحمہ اللہ محرم کے مہینہ جب حضرت والدماجد رحمہ اللہ کے استاذ محترم مولانا قاری محی الاسلام پانی پاتی رحمہ اللہ کی دعوت پر پانی پت تشریف لائے تو آپ نے اپنے بیان میں پہلے نماز کا بیان فرمایا اس کے بعد روافض کا رد فرمایا، حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ کا بھی یہی طریق کار تھا جو آپ کی تقاریر و بیانات سننے سے واضح ہے۔

دعوت و تبلیغ اور تقاریر کے علاوہ مناظرہ باگڑ سرگانہ، مدلل جواب، ازالۃ الشک، بطلان عقائد الشیعہ، مناظرہ جھوک وڑھیل، جنازۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، ٹھوس دلائل اور تحقیقی مواد پر مشتمل آپ کی یادگاریں۔ جو علمی دلائل کی دنیا میں ہمیشہ اپنا لوہا منواتی رہیں گی۔

حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ نے اگرچہ دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور رد روافض کے محاذ کو مستقلاً ایک شعبہ کے طور پر اپنایا ہوا تھا اور آپ کی تحریری و تقریری مساعی کا زیادہ تر حصہ بھی اسی کے اردگرد گھومتا ہے لیکن آپ دوسرے فتنوں سے بھی بے خبر نہ تھے، اس لیے بوقت ضرورت آپ نے ان کا تعاقب بھی فرمایا اور ضرورت پڑنے پر دوسرے محاذ پر بھی آپ نے اپنی خدمات سرانجام دیں۔ چنانچہ اپنے بیانات میں آپ روافض کے علاوہ مرزائیت، غیرمقلدیت، مماتیت، پرویزیت، مودودیت وغیرہ کا رد بھی فرماتے تھے، محمود احمد عباسی امروہی نے جب دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آڑ میں خلیفہ راشد حضرت امیرالمؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر بے جا اعتراضات کیے، حضرات علماء اہل السنۃ نے بروقت ان کے باطل نظریات کا تعاقب کیا، تحریر و تقریر کے ذریعہ ان کے نام نہاد دلائل کے جواب دیے اور حضرات اہل بیت کرام کا دفاع

کیا، احقر کے والدماجد رحمہ اللہ نے بھی اس خارجی فتنہ کے رد میں ''محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ'' کے نام سے کتاب تحریر فرمائی۔ احقر کو خوب یاد ہے کہ ساہی وال کے علاقہ میں ایک جلسہ میں تقریر کے بعد حضرت علامہ تونسوی صاحب جامعہ حقانیہ تشریف لائے تو حضرت والدصاحب نے انہیں اپنی یہ کتاب سنائی، حضرت علامہ نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے کتاب کو سنا اور حضرت والدصاحب کو فرمایا:

''حضرت ہمیں آپ کی تحریر سے حرف بحرف اتفاق ہے، ہم پکے سنی اور دیوبندی ہیں، یزید اور اس کی جماعت اور خارجیوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، ہم سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ برحق سمجھتے ہیں۔ محمود احمد عباسی کی تحقیق غلط ہے، آپ نے اس کی تردید میں جو کچھ لکھا ہے وہ حق اور صحیح ہے''۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی القبر کے انکار کا فتنہ جب بعض دیوبندی کہلانے والے حضرات کی طرف سے شروع ہوا تو آپ نے ان کا کھل کر مقابلہ فرمایا، اپنی غلغلہ انداز تقاریر میں نہایت مدلل انداز میں ان کی تردید کی اس مسئلہ میں بھی آپ کا عقیدہ وہی تھا جو آپ کے تمام اکابر علماء دیوبند کا متفقہ عقیدہ ہے، حضرت والدصاحب رحمہ اللہ کا رسالہ ''عقائد علماء دیوبند'' احقر نے آپ کی خدمت میں تصدیق کے لیے ارسال کیا تو اس پر آپ نے یوں اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا:

''نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم: حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی مدظلہ کے رسالہ کو ابتدا سے اختتام تک بغور پڑھا جس میں مرقومہ عقائد اہل السنۃ علماء دیوبند کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں، بفضلہ تعالیٰ رسالہ ھٰذا اس پرفتن دور میں مسلک حقہ کی اشاعت اور عقائد باطلہ کے رد میں نہایت ہی مؤثر رہے گا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو اس عظیم دینی خدمت پر جزائے کثیر عطا فرمائیں اور زیادہ سے

زیادہ علمی ، مذہبی خدمات کی توفیق بخشیں ، آمین ۱۹ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ ''۔

رد روافض کے محاذ پر بے مثال خدمات کے باوجود اعتدال کا یہ وہی راستہ تھا جو علماء حق کا شیوہ اور اہل السنۃ کا طریقہ ہے ، حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ کو یہ اعتدال اپنے اکابر اور اساتذہ کرام سے وراثت میں عطا ہوا تھا ، چنانچہ امام اہل السنۃ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کے متعلق حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں :

''مناظرہ کے میدان میں رہنے کے بعد راہ اعتدال پر قائم رہنا بڑی مشکل بات ہے ، اللہ ہی اگر توفیق دے اور دستگیری فرمائے تو آدمی اعتدال پر قائم رہ سکتا ہے ، ورنہ اس میدان میں قدم رکھنے والے کا افراط یا تفریط میں مبتلا ہو جانا ایک عام بات اور اکثری تجربہ ہے ، ناچیز نے اس پہلو سے حضرت مولانا کو بہت ہی ممتاز اور باتوفیق پایا ، صرف ایک مقولہ نقل کرتا ہوں جو مولانا سے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے ، ایک موقع پر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین اولین کی پہلی صف کے بھی اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے''۔ (تحدیث نعمت ص ۳۴۶)

حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ علاقہ ساہی وال میں تقریر کے بعد کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ اپنے خاص تعلق کی وجہ سے جامعہ حقانیہ تشریف لے آتے اور رات کا قیام جامعہ ہی میں فرماتے تھے ، ایک مرتبہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ سے فرمانے لگے کہ

شیعہ تحریف قرآن کے سلسلہ میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کی ایک عبارت جو ''فیض الباری'' میں ہے اسے اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں ،آپ کی تحقیق اس کے متعلق کیا ہے ؟حضرت والدصاحب نے فیض الباری منگوائی اوراس کی وہ عبارت جس سے اہل تشیع استدلال کرتے ہیں اسے پڑھاعبارت یہ تھی :

واعلم ان فی التحریف ثلاثۃمذاھب،ذھب جماعۃ الی ان التحریف فی الکتب السماویۃ قدوقع بکل نحوفی اللفظ والمعنیٰ جمیعاًوھو الذی مال الیہ ابن حزم وذھب جماعۃ الی ان التحریف قلیل ولعل الحافظ بن تیمیۃ جنح الیہ وذھب جماعۃ الیٰ انکارالتحریف اللفظی راسافالتحریف عندھم کلہ معنوی قلت یلزم علیٰ ھٰذا المذھب ان یکون القرآن ایضاًمحرفاًفان التحریف المعنوی غیرقلیل فیہ ایضاً،والذی تحقق عندی ان التحریف فیہ لفظی ایضاًاماانہ عن عمدمنھم اولمغلطۃ فاللہ تعالیٰ اعلم بہ۔(فیض الباری ص۹۵ج۳طدارالمامون)

اس کے بعدآپ نے فرمایاکہ اہل تشیع کااس سے تحریف قرآن پراستدلال ہرگزصحیح نہیں وہ بالکل غلط کہتے ہیں کیونکہ اس عبارت کاتعلق قرآن کریم میں تحریف سے نہیں بلکہ کتب سماویہ میں تحریف سے ہے ،کتب سماویہ میں تحریف سے متعلق کئی مذاہب میں سے ایک مذہب یہ ہے کہ ان میں صرف معنوی تحریف ہوئی لفظی نہیں ہوئی ۔حضرت علامہ انورشاہ رحمہ اللہ اس مذہب کوردفرمارہے ہیں کیونکہ اگراسے صحیح تسلیم کرلیاجائے تواس سے قرآن پاک میں تحریف لازم آتی ہے ،اس لیے آپ نے وعندی ان التحریف سے فرمایاکہ کتب سماویہ میں صرف تحریف معنوی نہیں بلکہ تحریف لفظی بھی کی گئی ہے ،اس توجیہ کے بعدقرآن کریم میں تحریف کاکوئی

احتمال باقی نہیں رہتا۔

حضرت علامہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تقریر کو بغور سنا، فیض الباری کی عبارت بھی دیکھی اور پھر حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کی تصویب فرمائی، اور خوشی کا اظہار بھی، ساتھ ہی فرمایا ماشاء اللہ آپ نے بہترین تقریر کی ہے، عام طور پر لوگ اس عبارت سے مغالطہ میں آجاتے ہیں۔

احقر ناکارہ نے بھی جب شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ''فیض الباری'' کی اس عبارت کا ذکر کیا تو آپ نے اس وقت بھی یہی تقریر فرمائی تھی جسے احقر نے اسی وقت ''فیض الباری'' کے حاشیہ پر درج کر دیا تھا تاکہ کسی اور دیکھنے والے کو اس عبارت سے شبہ نہ ہو۔ ولنعم ماقال ؎

وکم من غائب قولا صحیحا　　　وآفته من الفهم السقیم

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت علامہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کا علاقہ ساہی وال میں بیان تھا اور احقر بھی اس بیان میں حاضر تھا بیان کے بعد احقر کے ہمراہ حضرت جامعہ حقانیہ میں تشریف لے آئے۔ رات کا قیام جامعہ میں فرمایا اور صبح حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی دونوں حضرات کے مابین طویل گفتگو ہوئی، طالب علمی کے زمانہ کے واقعات وحالات کا تبادلہ ہوا، طلبہ نے اس مجلس سے خوب فائدہ محسوس کیا، اس طویل مجلس سے ہم سب بے حد محظوظ ہوئے۔ حضرت علامہ تونسوی نے دیوبند اور لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرنے کی تفصیل بیان کی۔ حضرت والد صاحب نے دیوبند، سہارنپور، پانی پت کے دور کا ذکر کیا اور قراءت سبعہ میں بطریق امام شاطبی رموز میں لکھا ہوا طالب علمی کے زمانہ کا اپنا مصحف بھی دکھایا جسے دیکھ کر حضرت علامہ بے حد خوش ہوئے۔ مجلس کے اختتام پر حضرت والد صاحب اٹھے تو ان کے کمرہ تک

پہنچانے کے لیے حضرت تونسوی خود تشریف لائے ، رخصت لے کر واپس ہونے لگے تو حضرت والد صاحب نے کہا کہ مولانا دعا کیجئے کہ دین کے لیے کی ہوئی یہ تھوڑی بہت محنت قبول ہوجائے اور اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیں، حضرت تونسوی صاحب نے فوراً حضرت والد صاحب کا بازو تھام لیا اور بڑے عجیب انداز میں فرمایا کہ :

''حضرت اگر حق تعالیٰ آپ جیسے حضرات کو جنت میں نہیں بھیجے گا تو پھر جنت میں کون جائے گا، تسلی رکھیں ان شاء اللہ تعالیٰ ایمان پرخاتمہ ہوگا اور حق تعالیٰ ضرور مغفرت فرمائیں گے''۔

یہ سنتے ہی حضرت والد صاحب کی طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور تمام حضرات کی عجیب حالت ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان حضرات کے درجات بلند فرماویں اور ان کے طفیل ہمارا خاتمہ بھی ایمان پر فرمائیں اور مغفرت سے سرفراز فرمائیں ، آمین۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ سے آپ کے گہرے روابط اور تعلقات تھے جس کی جھلک گزشتہ سطور سے واضح ہے، ان کی وفات کے بعد حضرت نے ہم پر بھی شفقت وعنایت کا سلسلہ جاری رکھا، علاقہ ساہی وال میں جب بھی تشریف آوری ہوتی ، ملاقات پر خصوصی توجہ اور دعاؤں سے نوازا اور خوب حوصلہ افزائی بھی فرمائی ۔ بعض اوقات جلسوں سے واپسی پر رات کا قیام بھی جامعہ میں منظور فرمایا۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی وفات پر نہ صرف مناظر اسلام حضرت مولانا عبدالغفار تونسوی مدظلہم کے ذریعہ تعزیت فرمائی بلکہ خود بھی تشریف لاکر تعزیت اور تسلی فرمائی ، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ سے متعلق اپنے قلبی تاثرات کا زبانی ہی نہیں تحریری طور پر بھی اظہار فرمایا اور بعد میں احقر کی درخواست پر ایک مضمون بھی قلم

بند فرما کر ارسال فرمایا جو میں نے کتاب حیات ترمذی میں شائع کر دیا ہے۔

تعزیت کے موقع پر تشریف آوری کے روز آپ نے جو تاثرات قلم بند فرمائے ان سے نہ صرف حضرت والد صاحب ؒ کے ساتھ ان کے تعلقات کا اظہار ہوتا ہے بلکہ آپ کے دل میں ان کی شخصیت سے متعلق جو گہرے تاثرات تھے ان کا اظہار بھی ہو رہا ہے۔ ساتھ ہی یہ تحریر ''المعاصرة اصل المنافرة ''کے بالکل برعکس حضرت علامہ تونسوی ؒ کے مرتبہ ومقام تواضع کی بھی آئینہ دار ہے، اس لیے قارئین کی ضیافت طبع کے لیے حضرت ہی کے الفاظ میں پیش خدمت ہے :

تسمیہ، حمدلہ اور تسلمہ کے بعد حضرت تحریر فرماتے ہیں :

امابعد دارالعلوم حقانیہ میں حضرت قطب عالم حضرت مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ کی تعزیت کے سلسلہ میں حاضری کا اتفاق ہوا، حضرت اقدس کی وفات حسرت آیات کا ازحد افسوس ہوا، آپ موت العالم موت العالم کا مصداق تھے، آپ حلم وتدبر فہم وفراست، فقہی مسائل کی تحقیق وتدقیق میں اپنی نظیر آپ تھے، یکتائے روزگار تھے، امام اہل سنت علماء دیوبند تھے، حضرت اقدس کی ہر ادا نرالی تھی، رب العزت آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کے جامعہ حقانیہ کو ہر قسم کی ترقی سے نوازے، آمین ثم آمین۔ الخ

اپنے ایک معاصر کے حق میں اس قدر وقیع اور عظیم الفاظ یہ حضرت علامہ کی جوہر شناسی کے ساتھ اپنی فروتنی اور عاجزی وتواضع کی اعلیٰ مثال ہے

ع قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری

کسی نے صحیح کہا

ع نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں

دراصل تواضع وفنائیت کا یہ جوہر انہی باکمال حضرات کو عطا کیا جاتا ہے جو وسیع الظرف اور اہل اللہ کے منظور نظر ہوتے ہیں ، حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ عالم وفاضل ہونے کے ساتھ اپنے اکابر کے فیض یافتہ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے منظور نظر تھے ، عاجزی وتواضع اور فنائیت مین جن کا مقام رفیع اپنی مثال آپ ہے ، حق تعالیٰ ان حضرات کی برکت سے یہ جوہر نفیس ہم جیسے ناکارہ کو بھی عطا فرمائیں ، آمین ۔

جہاں تک احقر کو یاد ہے ۱۹۷۲ء میں حضرت علامہ کو پہلی مرتبہ ساہی وال جلسہ کی دعوت دی گئی تھی ، حضرت اس سال تو نہیں لیکن آئندہ سال ۱۹۷۳ء میں تشریف لائے پھر ۱۹۷۴ء میں جامع مسجد حقانیہ میں حضرت والد صاحب نے آپ کا بیان کرایا اس وقت سے لے کر آپ کی حیات تک بیسیوں بیانات حضرت کے سنے خوب زیارتیں کیں اور مجلس میں بیٹھنے کا موقع ملا ۔

احقر کو حضرت علامہ رحمہ اللہ کی پہلی مرتبہ زیارت ۱۹۷۳ء میں ہوئی جبکہ تکفیر روافض کے موضوع پر گفتگو کا موقع پہلی مرتبہ ۲۸/ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ بروز اتوار ۷/ دسمبر ۱۹۸۰ء کو ہوا ، آپ موضع موچیوال تحصیل ساہی وال میں بیان کے بعد جھنگ تشریف لے جا رہے تھے ، ساہی وال اڈے پر آپ بس کے انتظار میں تشریف رکھتے تھے وہیں احقر نے حضرت سے استفادہ کیا اور عشاء کی نماز اکٹھے پڑھی ، احقر نے حضرت سے شیعہ کی علی الاطلاق تکفیر کے متعلق سوال کیا تھا جس کے جواب میں اپنے موقف کو مدلل انداز میں باحوالہ بیان فرمایا ، حضرت کی اس بارہ میں وہی تحقیق تھی جو آپ کے استاذ محترم حضرت علامہ عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ کی تحقیق تھی ، احقر نے ایک دو معروضی اشکالات کیے ، حضرت نے ان کا بھی تشفی بخش جواب عنایت فرمایا اسی پر یہ

مجلس ختم ہوئی اور اس کے بعد حضرت سفر پر روانہ ہوئے۔

جامعہ حقانیہ کے سالانہ جلسہ پر حضرت اکثر تشریف لاتے اور دارالمبلغین ملتان میں رد روافض کے موضوع پر تیاری کے لیے دعوت دیتے ،کیونکہ احقر کے برادر کبیر حضرت مولانا سید عبدالصبور صاحب ترمذی رحمہ اللہ بھی حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ سے مناظرہ کی تربیت حاصل کر چکے تھے ۔ اس وقت دارالمبلغین کوٹ ادو میں تھا۔ غالباً یہ ۱۹۷۶ء کی بات ہے۔احقر نے ۱۴۰۳ھ میں جامعہ اشرفیہ لاہور سے دورہ حدیث شریف کیا، اس وقت خیال تھا کہ دفتر تنظیم میں حاضری دوں لیکن رمضان المبارک میں قرآن کریم سنانے کی ذمہ داری کی وجہ سے رخصت نہ ملی اسلیے اس وقت حاضری نہ دے سکا، رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ میں جب دس مرتبہ تراویح میں قرآن کریم سنانے کا عمل مکمل ہوگیا تو حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ اب تم دارالمبلغین ملتان جاسکتے ہو چنانچہ احقر شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ کے آخر میں ملتان دفتر تنظیم میں حاضر ہوا تو حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ بہت خوش ہوئے۔

یکم رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ کو حضرت نے تعلیم کا افتتاح کرایا اور پھر کراچی تشریف لے گئے ،حضرت علامہ کی واپسی تک رد روافض سے متعلق مباحث حضرت مولانا عبدالغفار تونسوی مد ظلہم نے لکھوائیں۔ ۱۲/ رمضان المبارک سے حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ خود نے تیاری کرائی اور اہم مباحث لکھوائیں۔ اس دوران حضرت علامہ مولانا خالد محمود صاحب مد ظلہم نے بھی درس دیے ۔ ۲۰ رمضان المبارک جمعۃ المبارک کے روز جامع مسجد تحریک اہل السنۃ ملتان میں حضرت علامہ تونسوی کے شاندار بیان کے بعد سب طلبہ کی دستار بندی ہوئی ۔ اس کے بعد ہمیشہ حضرت سے تعلق رہا جس کی تفصیل ایک مستقل مقالہ کی متقاضی ہے ،حضرت علامہ آخر عمر تک اپنے مشن کی تبلیغ

کے لیے کوشاں رہے اور باوجود ضعف کے بھی اسفار کا سلسلہ جاری رہا، وفات سے چند روز قبل دس روز کا طویل تبلیغی سفر فرمایا، واپسی پر معمولی نزلہ کی شکایت ہوئی اور پھر غنودگی کے بعد وقت موعود آگیا۔

حضرت کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبدالغفار تونسوی مدظلہم سے فون پر جنازہ کے متعلق معلوم ہوگیا تھا کہ تین بجے شام تونسہ شریف میں ہوگا۔ احقر مع برخورداران عبدالناصر و عبدالملک سلمہا صبح فجر کے بعد روانہ ہوا، جھنگ سے جامعہ کے استاذ مولانا محمد ظفراللہ صاحب کو لیا، گاڑی عزیز قاری محمد عباس صاحب سلمہ چلا رہے تھے۔ ڈیڑھ بجے ہم تونسہ پہنچے۔ جنازہ کے لیے دریائی خشکی میں انتظام تھا ہم راستہ میں ظہر ادا کر چکے تھے اس لیے جنازہ گاہ میں پہنچ گئے، اس وقت اگرچہ افراد محدود نظر آرہے تھے لیکن تھوڑی ہی دیر میں دیکھتے ہی دیکھتے مخلوق خدا لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوگئی، تاحد نگاہ آدم ہی آدم تھا اور یہ میدان رائیونڈ کا میدان معلوم ہو رہا تھا ہر طرف انسانوں کے سر نظر آرہے تھے۔ اسے حضرت علامہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت ہی کہا جاسکتا ہے کہ ملک کے گوشہ گوشہ سے دور دراز کا سفر کرکے لوگ دیوانہ وار پہنچ رہے تھے اور کیوں نہ پہنچتے کہ یہ امام اہل سنت کے جانشین، حضرت شیخ العرب والعجم کے تلمیذ رشید، ترجمان اہل السنۃ والجماعۃ، وکیل صحابہ، ہزاروں علماء کرام کے شیخ واستاذ، استاذ المناظرین کا جنازہ تھا۔ جس نے ساری عمر احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے وقف کی اور گلی گلی صحابہ کرام کی عظمت اور اہل بیت کی محبت کا پرچم لہرایا، آج لاکھوں کا یہ اجتماع اپنے اسی قائد کے آخری دیدار اور جنازہ پڑھنے کے لیے آیا ہوا تھا، حضرت علامہ تونسوی جیسے زندگی میں اپنی ذات میں ایک انجمن تھے ایسے ہی وفات کے بعد بھی وہ مرجع الکل نظر آرہے تھے۔

آپ کے جنازہ کو دیکھ کر حضرت علامہ خالد محمود مدظلہ کے اس ارشاد کی تصدیق ہو رہی تھی کہ مجتہد مرا نہیں کرتے بلکہ وہ زندہ ہوتے ہیں، البتہ ایک جہان سے دوسرے جہان منتقل ہوجاتے ہیں۔ آپ کا جنازہ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق   ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

کا مصداق معلوم ہو رہا تھا۔

چار بجے جنازہ حضرت مولانا محمد عارف مدنی مدظلہم نے پڑھایا اور مغرب سے قبل تونسہ شریف ہی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی، اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائیں، اور مقعد صدق میں اعلیٰ درجات سرفراز فرمائیں، آمین۔

حضرت علامہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کے جانشین حضرت علامہ عبدالغفار تونسوی مدظلہم اور دیگر فرزندان گرامی حضرت مولانا عبدالجبار صاحب تونسوی، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مدظلہم وغیرھم اور آپ کی جماعت تحریک تنظیم اھل السنۃ والجماعۃ کے جملہ مبلغین آپ کے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائیں اور ان کی مدد و نصرت فرماویں۔ حضرت علامہ کے لیے ان سب کو بہترین صدقہ جاریہ اور باقیات صالحات بنائیں۔

ع   ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

فقط احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

۲۶/ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

درسِ حدیث

عن عبد اللہ بن عباس قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لیس المؤمن بالذی یشبع وجارہ جائع الی جنبہ (شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ: وہ شخص مومن نہیں جو خود شکم سیر ہو کر کھائے اور اس کے برابر میں رہنے والا اس کا پڑوسی فاقہ سے ہو۔

یعنی اپنے پڑوسی کی بھوک اور فاقہ سے بے نیاز اور لاپروا ہو کر اپنا پیٹ بھرنے والا آدمی (اگرچہ وہ ستر پشتوں کا مسلمان ہو) حقیقت ایمان سے بے نصیب ہے اور سنگدلی اور خودغرضی کی یہ کیفیت شان ایمان کے بالکل منافی ہے۔ ہم مسلمانوں کا اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اور عام بندگان خدا کے ساتھ جو معاملہ اور برتاؤ ہے اس کو سامنے رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں ذرا ہم اپنے ایمانوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آپ کی ان احادیث کی رو سے ہمارا مقام کیا ہے اور ہم کہاں ہیں۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکمل المؤمنین ایماناً احسنھم خلقاً (رواہ ابوداود والدارمی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں زیادہ کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ کمال ایمان کا انحصار حسن اخلاق پر ہے، پس اخلاق میں جو جتنا بلند ہوگا اسی قدر اس کا ایمان کامل ہوگا، یا اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ حسن اخلاق کمال ایمان کا لازمی نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ لہٰذا جس شخص کا ایمان جتنا کامل ہوگا اسی کی نسبت سے اس کے

اخلاق بلند ہوں گے، یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی شخص کو ایمان کی حقیقت تو نصیب ہو لیکن اس کے اخلاق اچھے نہ ہوں۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حسن اسلام المرء تركه مالايعنيه(رواه ابن ماجه والترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے اسلام کی خوبی اوراس کے کمال میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں کا تارک ہو۔

انسان اشرف المخلوقات ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت قیمتی بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان کو وقت اور صلاحیتوں کا جو سرمایہ دیا گیا ہے، وہ اس کو بالکل ضائع نہ کرے، بلکہ صحیح طور سے اس کو استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ ترقی اور اللہ تعالیٰ کی رضا اوراس کا قرب حاصل کرے، یہی دین کی تمام تعلیمات کا حاصل اور لب لباب ہے اور یہی ایمان واسلام کا مقصد ہے اس لیے جو خوش نصیب یہ چاہے کہ اس کو ایمان کا کمال حاصل ہو اوراس کے اسلام کے حسن میں کوئی داغ دھبہ نہ ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ کھلے گناہوں اور بداخلاقیوں کے علاوہ تمام فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں سے بھی اپنے کو بچائے رکھے اور اپنے وقت اوراپنی تمام خداداد قوتوں اور صلاحیتوں کو بس ان ہی کاموں میں لگائے جن میں خیراور منفعت کا کوئی پہلو ہو یعنی جو معاد یا معاش کے لحاظ سے ضروری یا مفید ہوں، یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔ جو لوگ غفلت سے لایعنی باتوں اور بے حاصل چیزوں میں اپنا وقت اوراپنی قوتیں صرف کرتے ہیں وہ نادان جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنا قیمتی بنایا ہے اور وہ اپنے کیسے بیش بہا خزانہ کو مٹی میں ملاتے ہیں، اس حقیقت کو جنھوں نے سمجھ لیا ہے بس وہی دانا اور عارف ہیں۔

مرسلہ : محمد صدیق عفااللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

بقلم : حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی صاحب رحمہ اللہ

ایک صاحب ضلع انبالہ سے تشریف لائے اور عرض کیا کہ میں ملاقات کے لیے حاضر ہوا ہوں ، اور میرے اندر بہت بولنے کا مرض بھی ہے اس کا علاج چاہتا ہوں ؟ فرمایا زبان خود بخود چلتی ہے یا چلانے سے چلتی ہے ؟ عرض کیا جی چلانے سے چلتی ہے۔ فرمایا بھائی یہ تو تمہارے اختیار میں ہے مت چلاؤ (حاضرین مجلس اس وقت حیران تھے کہ ایک منٹ میں حضرت نے طالب کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور اتنے مشکل مرض کا علاج چٹکیوں میں کر دیا ؎

یک زمانہ صحبتت با اولیاء　　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

فرمایا ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ مجھ میں امرد پرستی کا مرض ہے اور ایک لڑکے سے میرا تعلق ہو گیا ہے ، میں نے اول اپنے شیخ سے رجوع کیا انہوں نے مجھ کو ایک وظیفہ پڑھنے کو بتلایا کہ تم یہ پڑھو اس کے پڑھنے سے تمہارے اندر سے یہ مرض جاتا رہے گا اور اس لڑکے سے تعلق نہ رہے گا۔ میں پڑھا کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا تو پھر میں نے ان سے عرض کیا تو انہوں نے ایک دوسرا وظیفہ بتلا دیا مگر اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا تو پھر آخر کار لوگوں نے مجھ کو یہ رائے دی کہ حضور سے میں اپنے اس مرض کا علاج کراؤں لہٰذا عرض ہے کہ حضور والا میرے اس مرض کا علاج فرمائیں اور اس شخص نے اپنا سارا واقعہ بطور حکایت کے لکھا جس میں بہت اجزا تھے ، اور سب کو خلط ملط کر کے لکھا تھا تو حضرت نے جواب میں لکھا کہ تم نے مجھ کو بے طریقہ خط لکھا جن امور کو تم

دریافت کرنا چاہتے ہو ان پر نمبر ڈالواور ہر نمبر کے آگے یہ لکھو کہ یہ اختیاری ہے یاغیر اختیاری (یعنی سوچ کر لکھو کہ اس کام کا کرنا یا اس کام کا ترک کرنا تمہارے اختیار میں ہے یا نہیں)مولانا عبدالمجید صاحب نے حضرت سے فرمایا کہ اگر وہ غور کرے تو اسی والانامہ سے اپنے مرض کا علاج بھی معلوم کر سکتا ہے۔

فرق درمیان مجنون و مجذوب

فرمایا مجنون وہ ہے کہ جس کی عقل اخلاط فاسدہ کے غلبہ سے زائل ہوجائے اور مجذوب وہ ہے کہ جس کی عقل کسی وارد غیبی کے غلبہ سے زائل ہوجائے مگر کبھی احوال وواردات کے غلبہ سے اخلاط میں بھی تغیر ہوجاتا ہے ،اس لیے علت سے تو اس کی پہچان مشکل آسان فرق علامات سے یہ ہے کہ مجذوب کے پاس بیٹھ کر قلب کو آخرت کی طرف کشش ہوتی ہے باقی لوگوں میں جو مشہور ہے کہ جو مجذوب ہوتا ہے اس کی پشت کی طرف کھڑے ہوکر اگر درود شریف پڑھے تو خواہ اس کو پہلے سے خبر بھی نہ ہو مگر وہ ضرور مڑکر دیکھتا ہے۔یہ نہ معلوم کہاں سے لے لیا ہے ، پھر فرمایا کرسی ضلع بارہ بنکی کا قصہ ہے کہ ایک شخص نے میری پشت کی طرف بیٹھ کر میری بے خبری میں درود شریف پڑھا (اتفاقاً کسی ضرورت سے میں نے مڑکر دیکھا ، بس اتنی بات پر وہ میرے معتقد ہو گئے میں نے ہر چند ان کو سمجھایا مگر ان کی سمجھ میں نہ آیا یہ حالت ہے تو ہم پرستی کی ۔ ایک بار فرمایا کہ مجذوب معذور کی علامت یہ ہے کہ اس زمانہ کے اہل بصیرت (محققین جامع شریعت وطریقت اس شخص پر نکیر نہ کرتے ہوں۔ بخلاف غیر معذور کے۔

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

اتحاد ملت کے لیے چار نکاتی فارمولا کا تحقیقی جائزہ

مسلمانوں کے درمیان باہم تفرقہ بازی اور جنگ وجدال کسی دور میں بھی پسندیدہ قرار نہیں دی گئی۔ ان کاآپس میں اس قسم کااختلاف ہمیشہ ہی نقصان کاباعث رہاہے،اس لیے اتحادملت اور مسلمانوں میں باہم اتفاق واتحاد پر ہمیشہ زوردیاگیااوراس سلسلہ میں کی جانے والی کوششوں کوسنجیدہ طبقہ نے ہردورمیں سراہاہے۔ماضی قریب میں ''اتحادملت کے چار نکاتی فارمولا'' کے عنوان سے مرحوم مولاناعبدالستارخان نیازی صاحب نے بھی دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث تینوں مکاتب فکرمیں باہم اتحاد کے لیے ایک فارمولاقومی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ متعارف کرایا تھاجسے اس دورمیں بڑی اہمیت دی گئی ۔حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ نے اپنے اس فاضلانہ مضمون میں اتحادملت اوراس کے فارمولا پرجوعلمی و تحقیقی اور اصولی تنقیدکی ہے اس سے اس فارمولا کاسقم واضح ہوجاتاہے۔اس محققانہ تنقید کے ساتھ ہی حضرت نے اپنے مضمون میں اتحاد کے اصل سبب کی بھی نشاندہی فرمائی ہے جس پر عمل سے آج بھی ''اتحاد'' کا مقصدحاصل کیاجاسکتاہے۔حضرت کایہ مضمون اس دورمیں اخبارات میں شائع ہوگیاتھا، قارئین مجلہ الحقانیہ کے لیے اسے دوبارہ شائع کیاجارہاہے۔(ادارہ)

اتحادملت کا یہ فارمولااگرکسی وقتی اورہنگامی مقصد کے پیش نظرمرتب کیاگیا ہے تو پہلے اس مقصد کوواضح طورپرسامنے لاناضروری ہے ،اوراگراس سے دائمی اتحاد ویگانگت کی فضاء قائم کرنامطلوب ہے تو پھر تفرقہ اوراختلافات کے اسباب اور وجوہات کی تعیین و تشخیص اوراسباب اختلافات کے ازالہ کے بعدخلوص دل کے ساتھ کسی قابل عمل فارمولے پراتفاق اورعمل کیے بغیریہ مقصدحاصل نہیں کیاجاسکتا،اس لیے ضروری ہے کہ اس پرسنجیدگی سے غوروفکرفرمایاجائے۔

جہاں تک دعوت اتحاد اورتمام مسلمانوں کے متحدومتفق ہونے کامعاملہ ہے اس کی ضرورت اوراہمیت کسی مسلمان پرمخفی نہیں ،اوریہ بات بھی کسی اہل نظروفکر

سے پوشیدہ نہیں کہ اس وقت دنیا کے ہر خطے اور ہر ملک میں مسلمان قوم جن مصائب اور آفات میں مبتلا ہے اس کا سب سے بڑا سبب آپس کا تفرقہ اور خانہ جنگی ہے ،اس لیے اتحاد ملت کے کسی متفقہ فارمولے پر غور وفکر وقت کی اہم ضرورت ہے۔

زیر نظر فارمولا کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اتحاد ملت کا وسیع مقصد اس فارمولا کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس میں صرف مذہبی فرقوں اور وہ بھی دیوبندی، اہل حدیث اور بریلوی صرف تین فرقوں کے اتحاد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ حالانکہ ان فرقوں کے باہمی اختلافات سے زیادہ ملک کے امن وامان اور سکون کے برباد کرنے کا ذریعہ وہ اختلاف ہے جو اہل تشیع کی طرف سے کیا جا رہا ہے ،جس کی وجہ سے ملک میں ہر طرف فسادات وتنازعات رونما ہو کر ملکی سطح پر امن وامان کا مسئلہ پیدا ہو رہا ہے ۔مگر اس فارمولے میں ان فسادات اور اختلافات کے حل کی طرف بالکل توجہ نہیں دی گئی ۔اس لیے یہ فارمولا صرف مذہبی فرقوں کے اتحاد کی حد تک بھی کوئی جامع نظام عمل پیش نہیں کرتا۔

دوسری طرف جب یہ دیکھا جائے کہ سیاسی جماعتوں اور پارٹیوں کے اختلافات اور تصادم سے اتحاد ملت کو جس قدر نقصان ہو رہا ہے اور اس سیاسی افراتفری اور تفرقہ بازی سے جو ملک کی فضا مکدر ہوتی جا رہی ہے ،سیاسی اقتدار کے لیے کشمکش ،عہدوں اور منصبوں کی خاطر باہمی تصادم وافتراق نے جو صورت اختیار کر لی ہے وہ ہر شخص کے سامنے ہے ،اور انہیں سیاسی رجحانات اور اختلافات کا ثمرۂ تلخ پاکستان کے دونیم ہو جانے کی صورت میں تمام قوم مسلم کو چکھنا پڑا لیکن علاج صرف ایسے اختلافات کو مٹانے کے لیے سوچا جا رہا ہے جو دین ومذہب کے نام پر سامنے آئے ہیں، گویا ملک وملت کے اختلافات کی ذمہ داری صرف مذہبی فرقہ بندی پر ہی عائد ہوتی ہے اور سیاسی

جماعت بندیوں اوران اختلافات سے ملک کے اندر تفرقہ اور انتشار کی کوئی فضاء پیدا نہیں ہوتی ۔ حالانکہ ملک وملت کے اتحاد کو سب سے زیادہ اس سیاسی تفرقہ بازی نے ہی نقصان پہنچایا ہے اور مذہبی فرقوں کا اختلاف اپنی حدود پر رہتے ہوئے کسی کے لیے بھی باعث نقصان نہیں ہوتا اور کبھی پہلے بھی ایسا اختلاف ملت کے اتحاد کے لیے باعث نقصان نہیں ہوا۔

نکتہ نمبر (۱)

یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خیرالقرون میں بھی نظری اور اجتہادی مسائل میں آراء وانظار کا اختلاف ظاہر ہوا ، اور اس اختلاف کی بنا پر حنفی ، شافعی وغیرہ مختلف فقہی مسالک عمل وجود میں آئے ، اسی طرح خلفاء راشدین ، عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ، ان کے بعد تابعین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے مقدس گروہ میں بھی قرآن وسنت کے مجملات اور مبہمات کی تشریح وتفسیر میں اختلافات پیش آتے رہے کیونکہ قرآن وسنت کے مسائل منصوصہ کے علاوہ کچھ ایسے مسائل بھی پیش آئے جو قرآن وسنت میں صراحۃً مذکور نہیں ، یا ان کا ذکر ایسے اجمال کے ساتھ ہے جس کی تشریح اور تفسیر کے بغیر ان پر عمل نہیں ہوسکتا ، ایسے ہی غیر منصوص یا مبہم مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا ان کے بعد تابعین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے درمیان آراء اور نظریات کا اختلاف واقع ہوا ، اس کے ساتھ ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ ان اختلافات کی بنا پر نہ تو ایک دوسرے کے خلاف جنگ وجدال ، یا سب وشتم کی نوبت آتی تھی اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کو کافر یا فاسق ہی کہتے تھے ۔

ہمارے بعض روشن خیال مصلحین نے جو اتحاد ملت کے لیے یہ علاج تجویز کرنا چاہا ہے کہ فرقہ وارانہ اختلافات کو مٹا کر سب کا ایک نیا مشترکہ مذہب بنالیا

جائے، شرعی مسائل میں یہ بات نہ عقلاً صحیح ہے نہ عملاً، چونکہ سلف صالحین اور ائمہ کا یہ اختلاف قرآن وسنت کے اشارات اور مسلمہ اصول اجتہاد کے مطابق تھا، آج کل کا سا اجتہاد نہ تھا کہ اصول اجتہاد سے واقفیت تو درکنار عربی زبان میں بھی مہارت نہ ہونے کے باوجود اردو انگریزی ترجموں کے سہارے قرآن وحدیث پر اجتہاد کی مشق شروع کر دی جاتی ہے ،اور خود کو اجتہاد اور قرآن وسنت سے مسائل کے استنباط کا اہل سمجھ لیا جاتا ہے ،ایسا اجتہاد خود ایک گناہ عظیم ہے ،اور اس سے پیدا ہونے والی رائے دوسرا گناہ ہے اور خلاف وشقاق کا موجب ہے۔

امام حدیث علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ :

''جس مسئلہ میں صحابہ وتابعین کا اختلاف ہو گیا وہ اختلاف قیامت تک مٹایا نہیں جا سکتا، کیونکہ اس اختلاف کو مٹانے کی ایک ہی صورت ہے کہ ان میں سے ایک گروہ کو قطعی طور پر حق پر اور دوسرے کو یقینی طور پر باطل قرار دیا جائے اور یہ ممکن نہیں''۔ (وحدت امت از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب)

غرضیکہ قرن اول کا اختلاف نہ تو مٹایا جا سکتا ہے اور نہ ہی وہ وحدت امت کے خلاف ہے البتہ ایسے اختلافات کو اپنے اصول وحدود کے اندر محدود رہنا چاہیے اور ان کو جنگ وجدال کا ذریعہ نہیں بننے دینا چاہیے۔

نہ معلوم فلسفی شاعر نے اپنے اس کلام سے کہ ؎

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں   کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

کونسی فرقہ بندی مراد لی ہے ؟اور

ع کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

سے مسلمانوں کے کس اتحاد کی خواہش ظاہر کی ہے ؟۔بظاہر فلسفی شاعر کی مراد وہی فرقہ

بندی ہے جو اسلام کی نظر میں مذموم اور مضر ہے۔

آیت قرآنی :واعتصموا بحبل اللہ جمیعاولاتفرقوا سے امت کا اجتماعی فریضہ اعتصام بحبل اللہ اور تمسک بکتاب اللہ کا ثبوت ہوتا ہے ،اور صحابہ کرام اور مجتہدین عظام کے زمانہ کے اندر مسائل کے استنباط میں اختلاف اور حنفی ،شافعی وغیرہ فرقوں کا تمسک کتاب اللہ اور سنت رسول سے صحیح اصول وشرائط اجتہاد کے موافق تھا،اس طرح کا اختلاف اتحاد ملت کے لیے نہ کبھی مضر ہوا نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔ اس پر خلافت راشدہ کے دور کی فتوحات اسلامیہ اور غیروں پر اسلامی رعب وجلال کو بطور گواہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

البتہ ایسے اجتہادی مسائل میں اختلاف کی حدود کو توڑ کر تفرق وتشتت اور جنگ وجدال اور ایک دوسرے کے ساتھ تمسخر اور استہزاء کے ساتھ پیش آنا،باہمی منافرت، فسادات اور جھگڑوں کا سبب بنتا ہے ،اسی تجاوز عن الحدود کا نام تفرق ہے ، جس کی ممانعت اعتصام بحبل اللہ کے حکم کے بعد ولا تفرقوا میں کی گئی ہے اور اس کو مذموم فرقہ بندی میں شمار کیا گیا ہے۔

نکتہ نمبر (۲)

مذہب کے نام پر ایک اختلاف وہ بھی ہے جو بدعت وسنت کے عنوان سے پیدا ہوا۔ اور کچھ لوگوں نے قرآن وسنت کی تعبیر میں صحیح اصول کو چھوڑ کر اپنی ذاتی رائے سے نئے نئے مسائل پیدا کر دیے ۔اس قسم کے اختلافات بلاشبہ وہ تفرق وافتراق ہیں جن سے قرآن وسنت میں مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہے ،ایسے اختلافات کے کم کرنے کی کوشش بلاشبہ ایک مستحسن اقدام ہو گا۔مگر اس کے لیے خلوص دل کے ساتھ کسی متفقہ اتحادی فارمولا کے مرتب کرنے کے بعد اس پر سختی کے ساتھ عملاً پابندی کی بھی

ضرورت ہوگی ،بغیر عملدرآمد کے کسی بھی فارمولا کا خاطرخواہ نتیجہ برآمد ہونا ممکن نہیں ، خواہ وہ کتنے ہی مفیداور عمدہ نکات واصول پر مشتمل ہواور کیسے ہی خلوص دل سے اس کومرتب کیاگیاہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسا اجتہادی اختلاف جوکتاب وسنت کے اشارات اور اصول اجتہاد کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اورائمہ مجتہدین رحمہم اللہ میں رہاہے وہ اختلاف نہ تومذموم ہے اور نہ ہی اتحادملت کے لیے مضرہے ،بلکہ ایسااختلاف الدین یسر کی تعبیروتفسیراور باعث رحمت ہے ،اس لیے اس کومٹانے کی سعی لاحاصل اور غیرمفیدہے۔البتہ اس میں غلوکرنااورحدوداختلاف سے گزرکرفسادونزاع کاسبب بنالینا مذموم اورمضرہوتاہے۔اس لیے ایسے اختلافات میں اس طرح کی سعی وکوشش مفیداور نتیجہ خیزہوسکتی ہے جس سے اختلاف اپنی حدود کے اندرمحدودرہے اوراس میں غلواور حدودسے تجاوزنہ ہونے پائے ،اورایسے اختلافات جواصول صحیحہ اورسلف صالحین کے اسوہ کونظراندازکرکے زمانہ خیرالقرون کے بعدبراہ راست قرآن وسنت سے مسائل کااستنباط کرکے پیداکردیے گئے ہیں یہ مذموم بھی ہیں اورمضربھی ،ان کوختم کرنے یاکم کرنے کی طرف جوقدم بھی اٹھایاجائے گاوہ مستحسن اورخیرمقدم کامستحق ہوگا۔

مولاناعبدالستارخان نیازی کااتحادملت کے لیے چارنکاتی فارمولا،اگرچہ ہمہ گیر اوروسیع مقاصدکاحاصل کرنے کے لیے ناکافی ہے۔پورے عالم اسلام کے لیے توکیا پاکستان کی تمام سیاسی اورغیرسیاسی جماعتوں کے اتحادکے لئے بھی اس فارمولے میں کوئی تجویزنظرنہیں آتی ۔حالانکہ ملکی سطح پراتحادملت کی اہمیت کاتقاضاتھاکہ ملک کی تمام جماعتوں کے لیے اتحادکی کوئی تجویزاس میں رکھی جاتی ،اورظاہرہے کہ جب تک ملکی سطح پرتمام جماعتوں کااتفاق نہ ہواس وقت تک اتحادملت کے مفادات کاکماحقہ

حصول ناممکن ہے۔

اس فارمولے میں صرف مذہبی جماعتوں بلکہ اس سے بھی نیچے اتر کر صرف دیوبندی، بریلوی، جماعتوں کے اختلافات کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ گویہ بھی ایک مستحسن اقدام ہے اور اگر کسی متفقہ لائحہ عمل کے تیار کرتے وقت اس فارمولے کو معمولی ترمیمات کے بعد پیش نظر رکھا جائے تو ان دونوں جماعتوں کے باہمی نزاعات اور فسادات کا کافی حد تک مداوا متوقع ہو سکتا ہے، اس طرح اس فارمولا سے اتحاد ملت کا مقصد جزوی طور پر حاصل کیا جا سکتا ہے، مگر کلی طور پر اتحاد ملت کا عظیم مقصد اس طرح کے جزوی اتحاد کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

ہماری رائے میں اس فارمولے کی افادیت اور تکمیل کے لیے نہایت ضروری ہے کہ ملک کی تمام سیاسی اور غیر سیاسی جماعتوں کو دعوت اتحاد دی جائے، اور تمام جماعتوں کے اختلافات اور نزاعات کے حل کی تجویز اس فارمولا میں پیش کی جائے، اس دعوت و تجویز کے بغیر یہ فارمولا ناقص اور غیر مکمل ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی وغیرہ جن حضرات اکابر علماء محدثین عظام اور مشائخ کرام رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی کی تصریح نکتہ (۱) اور نکتہ (۲) میں کی گئی ہے اور ان کے عقائد و نظریات کی روشنی میں اپنے متنازعہ فیہ امور کو حل کرنے کی تجویز رکھی گئی ہے، اس تجویز میں ایک فقرہ ''فقہ حنفی کے راجح اصول و مسائل'' کا اضافہ کر کے اس کو اس طرح بنا دیا جائے کہ:

''ہم اپنے تمام متنازعہ فیہ امور ان کے عقائد و نظریات اور فقہ حنفی کے راجح اصول و مسائل کی روشنی میں حل کریں''۔

یہ اضافہ اس لیے بھی ضروری اور واجب القبول ہے کہ اس فارمولا میں تسلیم کیا گیا ہے کہ :

''دیوبندی اور بریلوی امام اعظم ابوحنیفہ کے غیر مشروط مقلد ہیں''۔

جب یہ دونوں جماعتیں حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے غیر مشروط مقلد اور حنفی ہیں تو ان کے اختلافات کا فیصلہ فقہ حنفی کے راجح اصول و مسائل کی روشنی میں ہی ہونا چاہیے ،اور تمام حنفی چونکہ اہل سنت والجماعت ہیں اس لیے کوئی حنفی ایک دوسرے کو اہل سنت سے خارج نہ کہے ،صرف دیوبندی ، بریلوی کہلانے سے اہل سنت والجماعت سے خارج نہیں ہوئے ،بشرطیکہ اہل سنت والجماعت کے اصول سے اختلاف نہ کرتے ہوں ، جیسا کہ حنفی ، شافعی وغیرہ کہلانے کے باوجود سب اہل سنت والجماعت ہیں اور حنفی ، شافعی وغیرہ سب اہل سنت کی ہی شاخیں ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ دیوبندی ، بریلوی ناموں سے برصغیر کے اہل سنت میں فرقہ وارانہ اختلاف کی بنیاد ،مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے کفر ساز فتویٰ ''حسام الحرمین ''وغیرہ سے رکھی گئی ،جس کی عمر ستر ،اسی سال سے زیادہ نہیں ہے۔ ورنہ اس سے پہلے ایک طرف کے مسلمان اہل سنت والجماعت اور دوسری کی طرف اہل بدعت کہلاتے تھے۔

نکتہ نمبر(۳)

اس نقطے میں ''المہند''کو اختلافی مسائل میں نافذ العمل کہا گیا ہے۔

''المہند''اکابر علماء دیوبند کے عقائد و نظریات کی تصدیق شدہ مسلکی دستاویز ہے اور دیوبندی مکتب فکر کے عقائد و نظریات کے دیکھنے اور جانچنے کے لیے بمنزلہ آئینہ اور کسوٹی کے ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ''حسام الحرمین''

وغیرہ میں تکفیری فتوے کے جواب میں تقریباً اسی سال پہلے ۱۳۲۵ھ میں یہ کتاب شائع ہوئی تھی اور بار بار اس کے کئی ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ کئی سال ہوئے اس کا خلاصہ اور تشریح بنام عقائد اہل سنت والجماعت مع تصدیقات موجودہ اکابر علماء دیوبند مثل حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا خیر محمد صاحب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہم اللہ وغیرہ کے بھی شائع ہو چکا ہے۔

''المہند'' باوجودیکہ بحیثیت جماعتی مسلک دیوبند کے طور پر عرصہ دراز سے شائع اور نافذ العمل ہے لیکن پھر بھی اکابر علماء دیوبند پر طعن و تشنیع بلکہ تفسیق و تکفیر تک سے بھی اجتناب نہیں کیا جا رہا، اور پبلک پلیٹ فارم پر یہ عمل منافرت بین المسلمین کا بدستور جاری ہے۔

نکتہ نمبر (۴)

اس نقطے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ:

''اگر کوئی مسلمان سید الانبیاء ﷺ پر کھڑے ہو کر صلوۃ و سلام پڑھتا ہے تو اسے پڑھنے دیں اور یہ کہ تمام مسلمان نماز میں السلام علیک ایھاالنبی پڑھ کر حضور ﷺ پر سلام بھیجتے ہیں تو نماز کے بعد میں اس پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے''۔

نکتہ نمبر (۱) اور نکتہ نمبر (۲) میں اختلافی مسائل کے لیے ایک معیار بتلایا گیا ہے اس اختلافی مسئلے کو بھی اسی معیار پر پرکھا اور جانچا جانا چاہیے، اور فقہ حنفی کے راجح اصول کی روشنی میں اس کا حل اور اس پر عمل درآمد کرنا چاہیے۔ اس معیار پر جانچنے کے بغیر کوئی رائے قائم کر لینا تجویز شدہ معیاری اصول کو نظر انداز کر دینے کے مترادف ہو گا۔

''زندہ رہو اور زندہ رہنے دو'' کے محاورے کو اپنانے سے اگر کسی متفقہ حل

کی تلاش سے مایوسی کا اظہار مقصود ہے اور ہر شخص کو اپنے عمل میں آزادی دلانا مطلوب ہے تو پھر دوسری طرف سے بھی یہ کہنے کا حق تسلیم کیا جانا چاہیے کہ :

''تمام مسلمان نماز میں السلام علیك ایھاالنبی پڑھ کر سلام بھیجنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے اسوہ کا اتباع کرتے ہیں مگر نماز کے بعد باختیار خود کھڑے کر یا بغیر کھڑے ہوئے اجتماعی طور پر التزاماً صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں صحابہ اور سلف صالحین کے اتباع کی مخالفت ہے ، البتہ بے اختیاری اور جذب وکیف کی حالت مستثنیٰ ہے ،اس پر نکیر نہیں ۔مگر دوسرے کے لیے اس کی اجازت بھی نہیں جس کی یہ حالت نہ ہو''۔

اس نکتے میں یہ اصول کہ : ''جن لوگوں نے مسجد تعمیر کی ہو انہیں کے مسلک کی انتظامیہ ہو''۔

یہ اصول منصفانہ اور قابل عمل ہے لیکن امامت وخطابت وغیرہ فرائض انجام دینے کے لیے انتخاب میں نمازیوں کی اکثریت کے مسلک کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔مسجد کے ماحول کو پرامن رکھنے کے لیے نمازیوں اور امام کے مسلک میں اتحاد سب سے زیادہ اہم اور مقدم ہے اور شرعی حیثیت سے بھی یہ ایک ضروری شرط ہے۔

اس نکتے میں یہ اصول بھی منصفانہ ہے کہ :

''اگر کسی کتاب میں قابل اعتراض عبارت نظر آئے تو اس کی مراد معین کرنے کا حق مصنف کو ہو جس کی وہ عبارت ہے اور اگر وہ عبارت عام لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالتی ہو تو اس کی ایسی وضاحت ساتھ کردی جائے کہ غلط فہمی کا احتمال نہ رہے'' (ص ۲)

اس کے بعد علماء کے بورڈ یا شرعی عدالت میں فیصلہ کرانے کی تجویز

غیر ضروری ہے بلکہ غیر منصفانہ ہے، اس لیے کہ مراد و مفہوم کے متعین کرنے کا حق مصنف کو دیا گیا ہے، اب اس کی جگہ علماء کے بورڈ یا شرعی عدالت کو یہ حق دینا حق مصنف میں ناحق کی مداخلت ہے۔

اگر کسی وجہ سے مصنف کی طرف سے مراد متعین نہ ہو سکتی ہو تو اول تو اس کی دوسری عبارات وغیرہ کی روشنی میں اس کا مفہوم اور مراد متعین کی جائے، یا پھر اس کے مسلک کے معتمد علیہ علماء کے بورڈ سے مراد متعین کرائی جائے۔ اس سے اختلاف کرنے کا حق دینا اور دوسری مراد متعین کرنا توجیح القول بمالا یرضیٰ بہ القائل کے مترادف ہوگا، جو عقلاً و شرعاً درست نہیں۔

اگر ان جزوی ترمیمات کے بعد اس اتحادِ ملت کے چار نکاتی فارمولے پر عملی اقدام کیا جائے اور طعن و تشنیع اور تفسیق و تکفیر سے کلی اجتناب کیا جائے تو اس سے اتحادِ ملت کا مقصد جزوی طور پر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ۔ فقط

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ
مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہی وال ضلع سرگودھا
۲۰/ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

تائید و توثیق

از حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

از احقر جمیل احمد تھانوی جامعہ اشرفیہ لاہور

مولانا عبدالشکور سے مجھے بالکل اتفاق ہے۔

۲۹/ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

مولانا محمد عدیل باسط زید مجدہ

پرسکون زندگی گزارنے کا راز

یہ مضمون عربی کتاب ''علمتنی زوجتی'' کا ایک اقتباس ہے جسے جامعہ ہذا کے مدرس مولانا محمد عدیل باسط زید مجدہ نے اردو کے قالب میں ڈھال کر قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ (ادارہ)

سخت گرم دن تھا۔ عرب دیہاتی کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ وہ پتھر توڑنے میں مشغول تھا۔ آخری ضرب لگاتے ہی اس کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ بوجھل قدموں کے ساتھ اپنے گھر کی جانب چل پڑا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اسے اسکی بیوی ہنگامہ خیز آواز میں (بچوں کو) ڈانٹ ڈپٹ کرتی ہوئی ملی۔ بیوی نے اس کی (خستہ) حالت کو دیکھا، مگر کوئی پرواہ نہ کی اور گھر کے صحن میں سے ہوتی ہوئی اندر چلی گئی۔ گویا وہ گھر میں آیا ہی نہ ہو۔

دیہاتی غصہ ضبط کر گیا۔ بہت سے لوگوں کی ازدواجی زندگیوں کے حالات اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم کر رہ گئے۔

(سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جب ان کے شوہر سکران بن عمرو انتقال فرما گئے۔ وہ اپنے مشرک باپ کی سختیوں کے سامنے بکھر کر رہ گئیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی سہارا اور کفایت کرنے والا نہ رہا۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حال پر رحم فرمایا، اوران کے بڑھاپے کے باوجود انہیں رشتہ ازدواج میں منسلک فرمالیا، تاکہ ان کی یتیم بیٹیوں کی پرورش فرما سکیں۔) اس دیہاتی کے ذہن میں یہ تمام واقعہ گھومتا رہا۔

پھر وہ خود کلامی کرنے لگا: وہ بوڑھی تھیں، مگر آپ ﷺ نے انہیں قبول فرمایا، میں بھی اپنی بیوی کو (اس کی سختیوں کے باوجود) برداشت کروں گا، شاید اس کے اخلاق بہتر ہو جائیں۔

چنانچہ وہ اپنی بیوی سے بات چیت کرنے لگا تو اس کی بیوی نے فوراً ہی اپنے حقوق کا مطالبہ شروع کر دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ایسی خاتون سے نباہ کرنا اس کے بس سے باہر ہے۔ پھر اس کی بیوی کی آواز بلند ہوتی چلی گئی تو وہ اور بھی پریشان ہو گیا اور اس کی بداخلاقی پر تلملا کر بولا:

دیہاتی: کیا تو نے حضور ﷺ کا فرمان نہیں سنا؟

بیوی: اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا ہے مگر۔۔۔

دیہاتی: مگر کیا؟ کیا آپ ﷺ نے نہیں فرمایا: اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی انسان کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ کیونکہ اس کے خاوند کا اس پر بہت بڑا حق ہے۔

بیوی: تم کس حق کا دعویٰ کرتے ہو؟ اگر تم محنت کرتے ہو تو میں بھی محنت کرتی ہوں اور یہ بچے۔۔۔۔

شوہر: اس کی بات کاٹتے ہوئے: کیا بگاڑ دیا انہوں نے تمہارا؟

بیوی: ان کے شور و شغب اور مطالبات نے مجھے بے حال کر ڈالا ہے۔

شوہر: تم انہیں آداب سکھاؤ، اور ان کے لئے حسن سیرت کا نمونہ بن جاؤ۔

بیوی: تم خود کیوں نہیں ان کے لئے بھلائی کا نمونہ بن جاتے؟

شوہر: تم پر بھلائی کی کوئی بات اثر نہیں کرتی۔

بیوی: تم اپنی نصیحتیں اپنے پاس ہی رکھو۔ میں پہلے ہی تمہاری نصیحتوں سے

تنگ آئی بیٹھی ہوں

شوہر: اللہ کی قسم میں امیرالمومنین کے پاس تمہاری شکایت کروں گا۔

اس حال سے تنگ آکر وہ دیہاتی گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

جونہی اس نے امیرالمومنین (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک خاتون کو بلند آواز میں کہتے سنا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کام سونپے ہیں ان (کو سرانجام دینے) میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اے عمر!۔

دیہاتی نے واپس لوٹنے کا ارادہ کرتے ہوئے خود سے کہا کہ جب امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال ہے تو آج کے بعد میں اس صورت حال کی ہر گز پرواہ نہیں کروں گا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور اسے واپس جاتے دیکھ کر پکارا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اے مسلمان بھائی تمہیں کیا کام ہے؟

دیہاتی: مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی فراست سے اس کی پریشانی جانچ گئے، اور لمحہ بھر اسے دیکھ کر فرمایا:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم اپنی بات بیان کرو۔

دیہاتی: اے امیرالمومنین میں آپ کے پاس اپنی بیوی کے برے اخلاق کی شکایت لے کر آیا تھا، جس کا میں ایک مدت سے شکار ہوں۔ لیکن آپ کے ساتھ بھی وہی معاملہ دیکھ کر میں شکایت سے بے نیاز ہوگیا۔ اور میں نے سوچا کہ آپ پر تو یہ معاملہ مجھ سے زیادہ گراں گزرتا ہوگا (کہ آپ امیرالمومنین ہیں اور میں ایک عام آدمی) بس میں نے یہ کہتے ہوئے واپس لوٹنے کا ارادہ کرلیا کہ جب امیرالمومنین کا

یہ حال ہے تو میں بھی تقسیم الٰہی پر راضی رہوں گا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسکرا اٹھے اور فرمایا:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اے مسلمان بھائی! میں اپنی بیوی کی باتیں اس لئے برداشت کرلیتا ہوں کہ اس کے مجھ پر بہت سے حقوق و احسانات ہیں۔ وہ میرے لئے کھانا بناتی ہے، میرے لئے روٹیاں پکاتی ہے، میرے بچوں کو دودھ پلاتی ہے، میرے کپڑے دھوتی ہے۔ اور میں جتنا اس کی باتوں کو برداش کروں گا اتنا ہی مجھے ثواب ملے گا۔

دیہاتی: اے عمر! اپنے گھروالوں سے میل جول میں آپ کتنے نرم دل ہیں اور معاملات حکومت میں کتنے سخت۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: میں تو صرف ان امور میں سختی کرتا ہوں جو عامۃ المسلمین کے حقوق سے متعلق ہیں اور وہ بھی اس وقت جب راہِ حق سے کسی کو دور ہوتا یا ہٹتا ہوا دیکھتا ہوں، یا جب کوئی واجبات کی ادائیگی میں تاخیر کرے اس وقت۔

دیہاتی: اور جو کام آپ کی ذات سے متعلق ہیں ان میں؟۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ان امور میں عفو و درگزر کا معاملہ کرتا ہوں۔ کیا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نہیں فرمایا: (اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بیشک یہ بڑی باتوں میں سے ہے) کیا ہمیں اسلام نے یہ نہیں سکھایا کہ ہم پر بیویوں کے بڑے حقوق ہیں، اور وہ ہمارے پاس امانت ہیں۔ اور جو شخص امانت کا پاس نہ رکھے اس کا ایمان ناقص ہے۔ کیا ایمان والے آپس میں محبت اور شفقت کے لحاظ سے ایک وجود کی مانند نہیں ہیں کہ جب اس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورا وجود درد محسوس کرتا ہے۔ تو پھر تمہیں کیا ہوگیا ہے اے شخص! کہ تم قرآن کریم کے (بیان کردہ) اخلاق سے خود کو

مزین نہیں کرتے ؟

دیہاتی : اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں، لیکن میری بیوی تو بچوں کا بوجھ اٹھانے کو بھی تیار نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ : کیا تم اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پیار محبت (اور خوش طبعی) سے کچھ وقت گزارتے ہو ؟

دیہاتی : میں (دن بھر کا) تھکا ہارا (شام کو) گھر لوٹتا ہوں، مجھ میں اتنی ہمت و سکت ہی نہیں ہوتی (کہ ان کے ساتھ خوش طبعی کر سکوں)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ : اور تم انہیں اس حال میں چھوڑ کر جاتے ہو کہ تمہارے موجودگی میں (تمھارے ڈر کی وجہ سے) وہ جو خود کو بڑی مشکل سے دبائے بیٹھے ہوتے ہیں، تمہارے جاتے ہی وہ اپنی ماں پر چڑھ دوڑتے ہیں (اس پر سارا غبار نکالتے ہیں اور اسے ستاتے ہیں)، کیا ایسا نہیں ہے ؟

دیہاتی خاموش رہتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر فرماتے ہیں : اس وجہ سے تمہاری بیوی تم سے بیزار رہتی ہے۔

دیہاتی : کیا آپ اپنے بچوں کے ساتھ نرمی و محبت کا معاملہ فرماتے ہیں اے امیر المومنین!

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ : جی ہاں! اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے بچوں حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر سوار ہو جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اٹھا کر یہ فرماتے ہوئے چلنے لگتے : تمہاری سواری بہترین سواری ہے اور تم بہترین سوار ہو۔

دیہاتی حیرت زدہ ہو کر بولا: کیا واقعی ایسا ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر فرمانے لگے: میں نے کل کچھ کام ایک آدمی کے سپرد کرنے کے لئے اسے بلایا۔ جب وہ میرے پاس آیا تو اس نے مجھے میرے بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھ کر اسے پسند نہیں کیا۔ میں نے وہ کام اس کے ذمہ نہیں لگایا۔ کیونکہ وہ سخت طبیعت والا اور خشک مزاج آدمی تھا۔ اور جب اس کی بچوں کے بارے میں یہ سوچ تھی تو وہ قوم پر کتنا ظلم اور سختی کرتا۔

دیہاتی: آپ نے سچ فرمایا ہے اے امیر المومنین۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل عیال کے ساتھ (برتاؤ کرنے میں) بہتر ہو اور میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ (برتاؤ کرنے میں) تم سب سے بہتر ہوں۔

دیہاتی: آج آپ نے مجھے ایک ایسا سبق دیا ہے جسے میں کبھی نہیں بھولوں گا اور اب میں ان شاء اللہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پیار محبت سے رہوں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: پھر تو تمہاری بیوی بھی تمہارے ساتھ (برتاؤ کرنے میں) ویسے ہی ہو جائے گی جیسے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ (برتاؤ کرتی) تھیں۔

دیہاتی: وہ کیسا برتاؤ کرتی تھیں؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ایک دن ان کا باپ ان کے پاس آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھ گیا۔ توانہوں نے اپنے باپ کو (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھنے سے) منع فرمایا اور بستر کو لپیٹ دیا۔

دیہاتی: اپنے باپ کے سامنے سے بستر لپیٹ دیا؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ : جی ہاں!

دیہاتی : تو ان کے باپ نے کیا کیا؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ : اس نے ان سے کہا : کیا یہ بستر میرے مقام و مرتبہ کے لائق نہیں ہے یا میں اس بستر کا اہل نہیں ہوں؟

دیہاتی : تو انہوں نے کیا جواب دیا؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ : انہوں نے فرمایا : شرک نے تمہارے اور میرے شوہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے مرتبوں) کے درمیان (بہت بڑا) فرق ڈال رکھا ہے۔ تم مشرک و نجس ہو اور میرے شوہر پاکیزہ نبی ہیں۔

دیہاتی : واقعی؟ پھر ان کے باپ نے کیا کہا؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ : ان کے باپ نے کہا اے میری پیاری بیٹی اللہ کی قسم تم مجھ سے الگ ہو کر بڑے شر میں مبتلا ہو گئی ہو۔

تو انہوں نے جواب دیا : نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی ہے۔ پھر وہ فرمانے لگیں : تعجب تو تم پر ہے میرے باپ! تم قریش کے سردار ہو اور ان کے بڑے ہو لیکن تمہاری حالت یہ ہے کہ تم ایسے پتھروں کو پوجتے ہو جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔

دیہاتی : اس نے کیا جواب دیا؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ : اس نے کہا : میں اپنے آباء و اجداد کے دین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔

دیہاتی : وہ واقعتاً کامل ایمان والی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ : اور ان کے شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عظیمہ نے

ان کے ایمان میں مزید اضافہ فرمادیا۔ کیا رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا: شیشوں (یعنی عورتوں) کے ساتھ نرمی کے ساتھ برتاؤ کرو۔ اور کیا انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی غیرت (پر مبنی ناراضگی جو کہ انتہائی محبت کی بنا پر تھی) اور اپنے والد کی طرف ان کے شکوہ کو برداشت نہیں فرمایا اور جب ان کے والد ابوبکر صدیق نے انہیں مارا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر انہیں کہنے دیجئے۔

دیہاتی: کیا واقعی ایسا ہوا تھا؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: کیا تم علماء کی مجالس میں حاضر نہیں ہوتے کہ دین اور آداب معاشرت سمجھ سکو؟

دیہاتی: نہیں اے امیر المومنین! میں تو صبح شام کام کرنے والا آدمی ہوں، میرے پاس ان امور کے لئے وقت ہی نہیں ہوتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: تم تمام وقت کام میں کیوں صرف کر دیتے ہو؟

دیہاتی: میرا کنبہ بڑا ہے اے امیر المومنین۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اگر تم ہمارے پاس آتے اور اپنی پریشانی بیان کرتے تو ہم تمہیں بیت المال میں سے (بقدر ضرورت مال) ضرور عطا کرتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو بقدر استطاعت عمل کا ہی مکلف بنایا ہے۔ تم حصول علم اور عبادت کے لئے بھی وقت نکالا کرو اے آدمی!

دیہاتی: اللہ تعالیٰ آپ کو اس اعلیٰ درجہ کی امارت کا بدلہ دیں۔ آپ دین و دنیا دونوں (کے معاملات) میں بہترین رہنمائی کرتے ہو۔

وہ آدمی اس عزم کے ساتھ لوٹ گیا کہ اب وہ ایک نیا انسان بن جائے گا، جو طالب علم ہوگا۔ پھر وہ آدمی عالم و عابد اور اپنے بیوی بچوں کی نرمی سے تربیت کرنے

والا بن گیا۔

اور ان کے گھر پر محبت اور ایمان کے پاکیزہ جھونکے چلنے لگے۔ اور وہ گھر ایمان وسکون کی چھاؤں میں آگیا۔ اور اس کی بیوی ایک نو بیاہتا دلہن کی طرح ذوق وشوق سے اس کا روزانہ انتظار کرنے لگی۔ میاں بیوی نے مل کر اس گھر کو علم اور آداب عالیہ کا گہوارہ بنا دیا۔ اور ان کے اپنے اور اعزاء کے بچوں کے ساتھ ساتھ محلہ داروں کے بچے بھی ان کے گھر تعلیم حاصل کرنے کے لئے آنے لگے۔

وہ دیہاتی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت خوش ہوئے اور ان کے چہروں پر پائے جانے والے آثارِ خیر سے نیک فال لی۔

دیہاتی نے کہا: یہ آپ کے بوئے ہوئے بیج کا پھل ہے اے امیرالمومنین! اور آپ کی تعلیم اور رہنمائی کا نتیجہ ہے۔ بیشک آپ ہی وہ رہبر ہیں جس نے مجھے یہ سبق دیا۔

اس پر امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بلکہ تمہاری بیوی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس (خیر و برکت) کا سبب بنایا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔ تو تم اس چیز کو اس کے اسباب میں سے ایک سبب کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ کیوں نہیں کہتے کہ مجھے میری بیوی نے (یہ سب) سکھایا ہے۔

ع۔ن۔ت

تعارف کتب

نام کتاب : الدین الخالص صفحات :۴۸		الفضل العظیم صفحات : ۴۰
مؤلف : حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ
ناشر : یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ لاہور

درج بالا دونوں رسالے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے تلخیص شدہ مواعظ ہیں۔ جن کی تلخیص مولانا ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی صاحب نے کی ہے ، اور جناب ڈاکٹر عبدالمقیم صاحب نے ان کو عمدہ خطاطی ، دیدہ زیب اور اعلیٰ ورق کے ساتھ شائع کیا ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ کی افادیت محتاج بیان نہیں ، اکابر ہمیشہ اپنے متعلقین کو حضرت کے مواعظ کے مطالعہ کا حکم فرماتے رہے ہیں خود حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے :

''جو بھی میرے پچاس وعظ بغرض اصلاح پڑھے گا اس کی اصلاح ہوجائے گی ''۔

ملنے کا پتہ : مدرسہ احیاء السنہ فروکہ سرگودھا		قیمت فی وعظ : ۳۰ روپے کے ڈاک

نام کتاب : مقالات گیلانی		نام مؤلف : حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ
صفحات : ۳۵۲		ناشر : مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی

مؤرخ اسلام حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فضلاء میں سے تھے ۔آپ کے قلم حقیقت رقم سے متعدد تصانیف اور سینکڑوں مضامین منصہ شہود پر آئے۔

زیر نظر کتاب ''مقالات گیلانی '' میں حضرت کے سدا بہار قلم سے لکھے ہوئے

مقالات اور مضامین جمع کیے گئے ہیں۔

مرتب جناب حافظ سید اکبر شاہ بخاری صاحب زید مجدہ مبارکباد کے مستحق ہیں جنہوں نے ان منتشر مضامین کو جو موتیوں کی طرح مختلف رسائل وجرائد میں بکھرے ہوئے تھے جمع کرکے ایک لڑی میں پرودیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرتب کی اس سعی کو سعی مشکور فرمائیں۔ امید ہے کہ قدردان حضرات اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں گے۔

نام کتاب : دفاع امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نام مؤلف : حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی زید مجدہ
صفحات : ۳۶۱ ناشر : القاسم اکیڈمی خالق آباد ضلع نوشہرہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی علمی شخصیت اور آپ کے معاندین کی طرف سے آپ کے ساتھ روا رکھا جانے والا رویہ کسی صاحب علم سے مخفی نہیں۔

زیرنظر کتاب میں حضرت الامام کی سیرت وسوانح، علمی و تحقیقی کارنامے، تدوین فقہ، دلچسپ مناظرے، حجیت اجماع وقیاس پر اعتراضات کے جوابات، حیرت انگیز واقعات اور اس طرح کے اور کئی موضوعات ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ آپ پر کیے جانے والے اعتراضات کا بھی علمی اور تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔

محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کے یہ الفاظ اس کتاب کے متعلق سند کی حیثیت رکھتے ہیں کہ :

''کتاب کی جامعیت اور موضوع سے متعلق تمام پہلوؤں پر معیاری تحریریں دیکھ کر بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مصنف نے گویا حنفی تاریخ اور فقہ وقانون کی روح اور علوم ومعارف کا عطر کشید کرکے امت کے سامنے رکھ دیا ہے۔ ''دفاع ابوحنیفہ'' گویا حنفی فقہ وقانون، ائمہ احناف کی خدمات، ان کے علوم ومعارف اور شاندار تاریخ کا ایک دائرۃ المعارف ہے''۔

مولانا محمد آصف چنیوٹی

اخبار الجامعہ

یکم محرم الحرام :حضرت صدر جامعہ مدظلہم نے چک نمبر ۱۵۷ میں بیان فرمایا۔۵ :حضرت مدظلہم نے جامع مسجد صدیقیہ فروکہ میں اصلاحی بیان فرمایا۔

۱۰ :جامعہ حقانیہ میں یوم عاشورہ کے موقع پر اجازت احادیث مسلسلہ کی تقریب منعقد ہوئی ،قرب وجوار سے علماء کرام نے اس تقریب میں شرکت فرمائی ۔ حضرت مدظلہم نے علماء وطلباء کو احادیث مسلسلہ کی اجازت دی اور مختصر بیان کے بعد دعاء پر یہ مبارک مجلس اختتام پذیر ہوئی ۔بعد ظہر دورۂ حدیث شریف کی طالبات کو بھی احادیث مسلسلہ کی اجازت دی۔

۱۳ :حضرت مدظلہم نے جامع مسجد عمر سلانوالی میں درس قرآن ارشاد فرمایا۔

۲۰ :حضرت مدظلہم نے مدرسہ امدادیہ فتحیہ سلانوالی میں ماہانہ اصلاحی درس ارشاد فرمایا۔

۲۱ :حضرت مدظلہم شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لیے جامعہ خیرالمدارس ملتان تشریف لے گئے۔

۲۲ :حضرت مدظلہم جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد تشریف لے گئے اور جمعہ کے موقع پر بیان فرمایا۔

۲۴ :حضرت مدظلہم درجہ کتب کے تقریری امتحان کے لیے جامعہ نعمانیہ بھاگٹانوالہ تشریف لیے گئے ،جامعہ کے استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد ظفراللہ صاحب زیدمجدہ اوراحقر بھی ہمراہ تھے۔بعد نماز ظہر حضرت مدظلہم نے طلباء سے خطاب بھی فرمایا۔